# دینداری اور دینی بصیرت کا باہمی ارتباط نہج البلاغہ کی روشنی میں

تالیف: دل آراء نعمتی[۱]
فاطمہ مسجدی[۲]
ترجمہ: شیخ مولانا ممتاز علی

## خلاصہ

انسانی زندگی کے مادی و معنوی پہلوؤں کے لئے اسلام کے دامن میں لائحہ عمل موجود ہے لہٰذا اسلام بشری زندگی کا محور بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، انسان کی جسمانی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر سوال کا جواب اسلام میں موجود ہے چونکہ نہج البلاغہ معرفت کے مختلف شعبوں اور تعلیمات اسلامی کا مجموعہ ہے اس وجہ سے اسلامی معرفت کا ایک مدرک اور سرچشمہ ہے۔ دینی بصیرت اور دینداری کے بارے میں یہ کتاب مکمل خزانہ ہے، نہج البلاغہ میں روح معتبر وبندگی اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے مختلف میدانوں میں علم و عمل کے تلازم کا بیان موجود ہے۔ یہ دونوں چیزیں تیسری شئے دینداری یعنی دینی بصیرت کا سبب ہیں۔ تقوی (معتبر) تسلیم ولایت، حمیت وغیرت دینی آپس میں مل جل کر انسان کو دیندار بنانے میں معاون ہیں انسانی زندگی میں دین کا مقام جیسے موضوع پر صاحبان نظر نے ہمیشہ توجہ فرمائی ہے اس پر بہت زیادہ گفتگو ہوئی ہے کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر ایک نے اس پر ایک خاص رخ سے نظر ڈالی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین نے بھی نہج البلاغہ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے آپ انسانی زندگی میں دین کی محوری حیثیت کے قائل ہیں اسی وجہ سے نہج البلاغہ میں اگر غور وفکر کی جائے تو دینداری اور دین کی رہنمائی کو آپ کے نکتۂ نظر سے بیان کیا جاسکتا ہے اس طرح حضرت کی نظر میں دینداری اور بصیرت دینی کو بیان کرنا آسان ہو جائے گا۔

## ۱۔ دین کی تعریف

عربی لغت میں دین کے معنی، جزاء، حساب، اطاعت، اسلام، عادت، شانِ، ذلت، حالت،

۱۔ استاد آزاد یونیورسٹی کرج۔dlrnemati@gmail.com
۲۔ علوم قرآن وحدیث آزاد یونیورسٹی کرج۔masjedi.falemeh@yahoo.com

جس چیز پر انسان ایمان رکھتا ہے، "سلطان" ورع، قہر، معصیت، طاعت اور درد کے ہیں۔(ابن منظور، ۱۴۱۴ جلد ۳، ص ۱۶۹) عام اصطلاح میں راہ وروش زندگی کو دین کہاجاتا ہے (طباطبائی، ۱۳۷۹، ص ۶) خاص تعریف میں عام اور انسان کے پیدا کرنے والے پر ایمان اور اس اعتقاد کی مناسبت سے عملی دستور کو دین کہاجاتا ہے (جوادی آملی، ۱۳۹۲، ص ۲۸) اس بنیاد پر اسلام میں دین کے دو رکن ہیں:

**الف: اعتقاد**

**ب: عملی طریقۂ عمل، احکام اور تکالیف کہ جس میں اخلاق اور فقہ بھی شامل ہو۔**

**۲۔ بصیرت دینی کی تعریف**

بصر (ج: ابصار) اس کے معنی آنکھ اور حسن بینائی کے ہیں، بصیر (ج: بصائر) کے معنی دل اور قلب کے ادراک اور باطنی بینائی کے ہیں (راغب، ۱۴۱۲، ص ۴۹) قرآن میں دلیل، حجت، برہان، شاہد اور گواہ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔" بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ" (القیامہ، آیت ۴) اور یہ بھی آیا ہے کہ " قدجاءکم بصائر من ربّکم" (الانعام، آیت ۱۰۴) حجت اور دلیل کے معنی میں جو لفظ بصیر کا استعمال ہوا ہے تو وہاں سب پر مسبّب کا اطلاق ہے اور وہ اس طرح کہ حجت، دل کی بینائی اور قلبی ادراک کا سبب ہوتی ہے (قرشی، ۱۳۷۷، ج ۱ ص ۱۹۰)

اس بناپر باطنی دریافت، دل کی بینائی ظاہر سے بالاتر باطن کا ادراک بصیرت کے معانی ہیں۔ لہٰذا امر دین میں قلبی اعتقاد اور باور کا نام دینی بصیرت ہے (فراہیدی، ۱۴۱۴، ج ۱، ص ۱۶۶) اس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ دینی قیادت کی خصوصیتیں بیان کرتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین ارشاد فرماتے ہیں" ھجم بھم العلم علی حقیقۃ البصیرۃ وباشروا روح الیقین" علم نے انہیں باطنی حقیقت کے ادراک تک پہونچادیا اور انہوں نے یقین کی روح کو حاصل کرلیا (نہج البلاغہ، حکمت ۱۴۷)

اس بنیاد پر دینی بصیرت، دینی آگہی سے بالاتر شئے ہے اور یہ وہ یقین ہے جو دینی عمل کے ساتھ جڑا ہوتا ہے اس کا ماحصل مختلف امور میں روشن بینی ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے" یاایھاالذین آمنوا ان تتّقوا اللہ یجعل لکم فرقانا"۔ (انفال، آیت ۲۵) اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو اللہ تمہارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت پیدا کردے گا۔ لہٰذا دین کے پرتو میں دینی حقیقت سے حاصل شدہ روشن بینی ہے جو مختلف امور میں حق و باطل کے درمیان فرق کی قوت عطا کرتی ہے اس بناپر اس بحث میں حقائق دینی کے سلسلہ میں مختلف امور میں قلبی اعتقاد کے سایہ میں روشن بینی کا اکتساب اور دینی قوانین کے

مطابق عملی التزام کا نام دینی بصیرت ہے جیسا کہ امیر المؤمنین کی نظر میں حق کے مدار پر گردش کرنے والا انسان جو ظاہری امور سے ان کی حقیقت کا پتہ معلوم کرنے اور حق کی تشخیص میں کامیاب ہو وہی بصیر ہے۔" انما البصیر من سمع فتفکر ونظر فأبصر و انتفع بالعبر ثم سلك جدداً واضحاً یتجنب فیه الصرعة فی المهاوی والضلال فی المغاوی" بصیر انسانی وہ ہے جو کہ غور وفکر کرے، نظر ڈالے درک کرے اور عبرت والی چیزوں سے نصیحت حاصل کرے نتیجہ میں روشن اور واضح راستہ طے کرے گڑھوں میں گرنے اور گمراہ راستوں میں گم ہونے سے محفوظ رہ جائے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۳)

## ۳۔ دین کی جامعیت

اسلام نے انسان کے تمام وجودی پہلوؤں اور مادی و معنوی جہتوں کے لئے لائحہ عمل پیش کیا ہے وہ جسمانی، روحانی، انفرادی، اجتماعی تمام سوالات کا جواب دہ ہے۔ انسان کی متغیر اور غیر متغیر ضرورتوں کے لئے اس کے پاس قوانین اور عملی راہ نمائی بالقوت اور بالفعل صورت میں موجود ہے جو اجتہاد کے ذریعہ معلوم کی جاتی ہے اگر کوئی انسان قرآن اور اسلام کے بتائے ہوئے لائحہ عمل پر چلے تو نجات اور دنیا وآخرت کی سعادت اسے ضرور ملے گی (ابراہیم زادہ، ۱۳۵۹، ص ۱۰)

اگر اسلام کو جامع اور کامل نہ مانا جائے تو امیر المؤمنین کی نظر میں اس میں کوئی نقص یا ابلاغ میں پیغمبر کی (معاذاللہ) کوئی کوتاہی تسلیم کرنا پڑے گی خصوصاً پہلے فرض کے سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں کہ "أم انزل الله سبحانه دیناً ناقصاً فاستعان بهم علی اتمامه أم کانوا شرکاء له فلهم ان یقولوا وعلیه ان یرضیٰ۔" کیا خدا نے ناقص دین بھیجا ہے جو اس کی تکمیل کے لئے اس نے ان سے مدد مانگی ہے؟ کیا وہ خدا کے شریک ہیں کہ احکام دین میں جو چاہیں کہیں اور خدا اس پر راضی رہ جائے؟ (نہج البلاغہ، خطبہ ۸۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کی ہدایت وسعادت کے لئے عقائد اور احکام کا کوئی گوشہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔ کیونکہ دین میں کمی کی بات تسلیم کر لینے کا مطلب قرآنی آیات کی صریحی مخالفت ہے۔"مافرطنا فی الکتب من شئ "ہم نے قرآن میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ہے۔ (الانعام، آیت ۳۸) "ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لّکل شئ" اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے (النحل، آیت ۸۹) دوسری طرف یہ بھی دھیان رہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے ناقص دین کا بھیجنا مخالف قانون حکمت اور خلاف لطف الٰہی ہے اور وہ لطف وحکمت کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا کیونکہ ایسے کام کو عقل پسند نہیں کرتی اور خدا خلاف عقل کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ (سبحانی نیا، ۱۳۸۹، ص ۴۵-۴۶)

دوسرے فریضہ کی بنیاد یہ ہے کہ خدا نے تو مکمل اور جامع دین بھیجا تھا لیکن پیغمبرؐ نے معاذاللہ

اس کی تبلیغ میں کوتاہی کردی تو یہ فرض بھی بالکل غلط ہے کیونکہ کوتاہی کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبرؐ نے معاذ اللہ ذمہ داریوں کو نہیں نبھایا اور ہوائے نفس کی پیروی کی خدانے قرآن میں جس کی نفی کی ہے: " وماینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یّوحیٰ " پیغمبرؐ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ وحی کے بغیر کلام نہیں کرتے۔(النجم ،آیت ۴۔۳ ) پیغمبر کا کلام ہوائے نفس کی دین نہیں ہے آپ اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ (قرآن اور دین آسمانی کے سلسلہ میں )جو بھی کہتے ہیں وہ خدا کی بھیجی ہوئی وحی ہے (طبرسی، ۱۳۷۲،ج ۹ ،ص ۲۶۱) اس دوسرے فریضہ کے سلسلہ میں حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں " أم انزل اللہ سبحانہ دیناتاما فقصر رسول اللہ عن تبلیغہ وادائہ " خدانے دین کامل بھیجا تھا تو کیا رسولؐ نے اسے پہونچانے میں کوتاہی کردی؟! (نہج البلاغہ ، خطبہ ۱۸) حضرت امیرؑ کا یہ ارشاد دین اسلام کی جامعیت کی دلیل ہے لہٰذا اپنی جامعیت اور کمال کی بناپر اسلام، زندگی بشر کا مدار و محور قرار پاسکتا ہے۔

## ۴۔ دینداری، امیر المؤمنینؑ کی نظر میں

دین پر عملی طور پر کاربند رہنا اعمال اور رفتار کے تمام پہلوؤں میں اس کے قوانین جاری کرنا اور زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اسی کے احکام ودستور نافذ کرنا دینداری ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۸۹ ،ص ۲۴)

مختلف انداز سے طرح طرح کے بیانات اور تمثیلات کے ذریعہ دین کی اہمیت کا تذکرہ کلام امیر المؤمنین میں موجود ہے یہاں تک کہ تمام خوبیوں میں دین وعقل کا جہاں تذکرہ آیا ہے وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں سب سے زیادہ درخشندہ ہیں اور دوسرے سارے کمالات اس کے بعد آتے ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ " من استحکمت لی فیہ خصلة من خصال الخیر احتملتہ علیھا، واغتفرتُ فقد ماسواھا ولا اغتفر فقد عقل ولا دین لانّ مفارقة الدین مفارقة الأمن فلا یتھنّا بحیاة مع مخافة وفقد العقل فقد الحیاة ولا یقاس الا بالاموات "

اگر کسی میں ایک صفت مستحکم انداز میں پائی جاتی ہے تو میں اسے قبول کرتا ہوں اور دوسری صفت سے درگذر کرتا ہوں لیکن اگر اس کے پاس عقل اور دین نہیں ہے تو پھر میں چشم پوشی نہیں کرتا کیونکہ دین سے جدائی امن وتحفظ سے جدائی ہے اور خوف والی زندگی اچھی نہیں ہے، عقل کا فقدان زندگی کا فقدان ہے اور (بے عقل ) افراد کا قیاس مردوں کے ساتھ ہوتا ہے (کلینی، ۱۳۶۲ ،ج ۱ ،ص ۲۷)

اسی طرح حضرت ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں " لا حیاة الا بالدین ولا موت الا بجحود

الیقین" زندگی دینداری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ موت انکار یقین کے سوا کچھ نہیں ہے (محمدی ری شہری، ۱۳۸۵، ج ۴، ص ۱۲۴) دین سے روگردانی کی خامیاں بیان کرنے کے لئے آپ نے معاویہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا" من نکث عنها جار عن الحق وخبط في التّيه"جو دین سے دامن کش ہوگیا وہ حق سے روگرداں ہوگیااور وہ وادی حیرت میں سرگرداں رہے گا۔ (نہج البلاغہ، خط ۳۰)

امیر المؤمنین کے فرمودات کی روشنی میں یہ نتیجہ حاصل ہوتاہے کہ دینداری پر مسلمان کی زندگی کی اساس ہے، لہٰذا دینداری کے امتیازات کا نہج البلاغہ میں بیان ہوناضروری ہے تاکہ دینداری اور دینی بصیرت کے بارے میں ارتباط معلوم ہو۔

## ۵۔ دینداری کے امتیازات

بہت سی تعلیمات اور دینی مفاہیم تمام دینی احکام ومعارف کے آئینہ دار شمار کئے جاتے ہیں یعنی وہ دین کے محوری اور کلیدی امتیازات ہیں اگران کی پابندی کی جائے توتمام دین وشریعت کی پابندی ہوگی دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ قلبی تیقن اور تعلیمات کی عملی پابندی میں دین ودینداری کی روح اور حقیقت تجلی ریز ہوتی ہے اسی بناپر دینداری کے کچھ اہم امتیازات بیان کئے جارہے ہیں:

### ا۔ تعبدوبندگی روح

عبد، تعبد، عبودیت، عبادت جیسے الفاظ کی تخلیق جب دینی مدارک میں کی جاتی ہے تو یہ پتہ چلتاہے کہ دینداری کی حقیقت اور روح کاخلاصہ خالصانہ تعبدوبندگی ہے۔ قرآن نے ان الفاظ پر اگر تکیہ کیاہے تواس کاراز انہیں حقائق میں مضمر ہے کیونکہ حق کی اطاعت، فروتنی اور فرمانبرداری کانام عبودیت ہے (راغب، اصفہانی، ۱۴۱۲، ۵۴۲) جو اپنے خداکاتابع محض ہو اور عشق خدا کی منزل میں خود سپردگی اور تسلیم محض تک پہونچ جائے وہ عبد کہلانے کے مستحق ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۸۹، ص ۳۱) پیغمبرؐ کو جو عبد کہہ کر مخاطب کیاگیاہے اس میں بھی یہی راز پنہاں ہے (الاسراء، آیت ا، الکہف، آیت ۱۷، الفرقان، آیت ا۔۔۔) خدانے پیغمبر کے احترام میں آپ کو لفظ عبد سے یاد فرمایاہے اگر کوئی نام اور عنوان اس سے زیادہ مناسب ہوتاتوپروردگار عالم اپنے سب سے برگزیدہ اور عظیم بندہ کو انہیں الفاظ سے مورد خطاب وستائش قرار دیتا۔

حق پرست انسان ایمان وعمل کی منزل میں جب تک اپنے آپ کو نہیں لاتا جب تک جہاد بالنفس کے ذریعہ اپنی نفسانی وابستگی سے اپنے خرمن وجود کو پاک نہیں کرتا، اپنی ناتوانی اور ناداری سے

واقف نہیں ہوتا اس وقت تک دینداری اور ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں دینداری کے اسی امتیاز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں "الاسلام ھو التسلیم" خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام اسلام ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۱۲۵) فصاحت و بلاغت کے ثریا تک پہونچا ہوا یہ مختصر جملہ بتاتا ہے کہ سب سے اول درجہ کی دیندار وہی ہے جو تسلیم محض کی صفت سے متصف ہو عبد کے یہی معنی ہیں، پروردگار عالم کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر لینا حقیقی دینداری ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے" یا ایھا الّذین امنوا ادخلوا فی السّلم کآفّۃ "اے ایمان والو! تم کسی اختلاف کے بغیر خدا کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کرلو (البقرہ، آیت ۲۰۸) اس آیت میں لفظ مسلم کا مطلب ایمان کے بعد خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر لینے کے ہیں (طباطبائی ۱۴۱۷، جلد ۲ ص ۱۱۱) دوسرے مقام پر بھی مولائے کائنات نے اسی انداز کی بات پیش کی ہے ارشاد فرماتے ہیں" والجیٔ نفسک فی امورک کلھا الی الھک "تمام کاموں میں تم اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دو (نہج البلاغہ، خطبہ ۳۱) امام حسینؑ کو مخاطب کرکے حضرت نے فرمایا" ولیکن لہ تعبدک "تمہاری بندگی فقط اس (خدا) کے لئے ہونی چاہئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ" ولاتکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حرا" تم کسی کے غلام نہ بنو خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے (نہج البلاغہ، خط ۳۱)

قرآن کریم نے خدا کی بندگی کی دعوت دی ہے اس بنا پر حقیقی دیندار وہی ہوگا جو حقیقی عبد ہو۔ یعنی وہ کچھ نہیں ہے اسے اپنی بیچارگی اور ہیچ ہونے کا احساس ہو جائے، خدا کی بارگاہ میں عبودیت، انکسار اور فروتنی کا مظاہرہ کرے۔ زندگی کے تمام نشیب وفراز اور تمام حالات میں اسے بس مرضی رب کی تلاش کی دھن ہو۔

انسان کبھی ایسے موڑ پر پہونچ جاتا ہے جہاں وہ دین و دنیا اختیار کرنے کے درمیان حد فاصل پر کھڑا نظر آتا ہے ایسے خاص موقع پر وہ صحیح راستہ کا انتخاب کرتا ہے اور خدا کی مرضی کے راستہ پر قدم رکھتا ہے تو خدا اسے دینداری کے زمرہ میں قرار دیتا ہے اور اسے سر تسلیم جھکا دینے والا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں۔" ولا تسخط اللہ برضا احد من خلقہ فان فی اللہ خلفا من غیرہ" لوگوں کو راضی کرکے خدا کو ناراض نہ کرو کیونکہ خدا کی خوشنودی ہر چیز کی جگہ لے سکتی ہے لیکن کوئی چیز خوشنودی خدا کی جگہ نہیں لے سکتی (نہج البلاغہ، ۲۷)

بے حد ضروری بیان یہ ہے کہ، خواہشات کی پیروی اور ذاتی چاہتیں عبدیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، انسان بندہ خدا بھی ہو اور نفس امارہ کا تابع بھی رہے یہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں اس اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفس کی مخالفت، اس پر غلبہ حاصل کرنے

اور اسے، مہار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

آپ نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ اپنے نفس کو آرزوؤں کی پیروی سے باز رکھیں، اسے مہار کریں کیونکہ نفس برائیوں کا حکم دیتا ہے لیکن یہ کہ خدا رحم فرمائے "امرہ ان یکسر نفسہ من الشھوات ویزعھا عند الجمحات فان النفس امارۃ بالسوء الا ما رحم اللہ " (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۳)

ایک خطبہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں "أَمْرُءٌ ألجم نفسہ بلجامھا وزمھا بزماما مھا فامسکھا بلجامھا عن معاصی اللہ وقادھا بزمامھا الی طاعۃ اللہ۔۔۔" ان کو اپنے نفس پر لجام لگانا چاہئے اسے اپنے اختیار میں کرنا اور طغیان اور گناہ سے روکنا چاہئے۔ اس کی عنان کو اطاعت پروردگار کی طرف موڑ دینا چاہئے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۳۷) واضح ہو کہ جب تک انسان عابدوں اور زاہدوں کا لباس نہیں پہنے گا اور عبدیت اختیار نہیں کریگا اس وقت تک نفس کو لجام لگانا ناممکن ہے۔ (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۴، ص ۳۲۸)

## ۲۔ معرفت خدا کی بنیاد، تلازم علم و عمل

پروردگار عالم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور روح تعبد کو قوی کرنا اسی وقت عملی شکل اختیار کرسکتا ہے جب علم و عمل کے درمیان تلازم پیدا کیا جائے لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ دینداری کی دوسری خصوصیت مکمل طور پر سے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ہے یعنی تمام واجبات کو ادا کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا التزام رکھا جائے مسلمان اگر اس منزل پر پہونچ گیا تو اسے ایمان پر یقین اور سچی دینداری حاصل ہو گئی۔

قرآن مجید نے دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کی بے حد تاکید کی ہے اور "عمل صالح" کے سلسلہ میں جتنی آیتیں ہیں وہ سب اسی التزام کی علامتیں ہیں۔

سورۂ مومنون کی ابتدائی آیتوں میں مومنین کی کچھ خصوصیتیں بتائی گئی ہیں جن میں نماز میں فروتنی، زکوٰۃ کی ادائیگی امانت اور عہد وپیمان کی رعایت نماز کے اوقات کی پابندی شامل ہے یہ تمام چیزیں خدائی اوامر ونواہی پر التزام کی مصداق ہیں اور یہی سچی دینداری کے امتیازات بھی ہیں پوری نہج البلاغہ میں اس عملی التزام کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں" العلم مقرون بالعمل فمن علم عمل" علم و عمل میں بڑا گہرا ربط ہے جس کے پاس علم ہے اسے عمل بھی کرنا ضروری ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۳۶۶) ابن ابی الحدید نے ان جملوں کی تشریح میں تحریر فرمایا ہے کہ جس انسان کے پاس علم ہو اور وہ اس پر عمل نہ کرے تو خداوند عالم اس سے علم چھین لیتا ہے اور وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ کسی بھی مکلّف انسان کو اس کے علم کی بنا پر ثواب نہیں عطا ہوتا مگر یہ کہ وہ اس پر عمل

کرے (ابن ابی الحدید، ۱۳۳۷، ج ۱۹، ص ۲۸۴) اس کی وجہ یہ ہے کہ علم، قوت نظری کا کمال ہے۔ اور عمل قوت عملی کا کمال ہے لہذا کسی بھی دینداری کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر سعادت و کمال کی منزل نہیں مل سکتی" دیندار عالم کے لیے اپنے علم پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ اسے عالم ہی نہیں سمجھا جائے گا (البحرانی، ۱۳۷۷، ج ۴، ص ۶۶۲)

علم و عمل کے تلازم کے سلسلہ میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں " اول علم، سکوت ہے پھر سننا، پھر حفظ کرنا اور اس کے بعد عمل کرنا ہے۔" (مجلسی، بی تا، ج ۲، ص ۱۲۸)

امام جعفر صادق علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے جس کا کردار اس کے گفتار کی تائید اور تصدیق کرے جہاں ایسا نہ ہو وہ عالم نہیں ہے۔ (مجلسی، ج ۶۷، ص ۳۴۳)

دینی اعتقاد و عمل کی ہدایت فرماتے ہوئے حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ "لولم یتوعد اللہ علی معصیتہ لکان یجب ان لا یعصی شکراً لنعمہ: اگر خدا نے گناہوں کے انجام دینے پر عذاب سے نہ بھی ڈرایا ہوتا تو شکریہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جاتی۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۹۰)

لہذا حقیقی دیندار وہی بندہ ہے جو علم و عمل کو آپس میں ملا دے، بندوں پر خدا کا سب سے کم حق یہ ہے کہ وہ گناہ نہ کریں، محرمات سے پرہیز کریں اور واجبات شرعی کے پابند بن جائیں "اقل مایلزمکم للہ ان لا تستعینوا بنعمۃ اللہ علی معاصیہ" خدا کا کم سے کم حق یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمت سے گناہوں میں مدد نہ لیں (نہج البلاغہ، حکمت ۳۳۰)

اس طرح مولائے کائنات نے نہج البلاغہ میں نماز، روزہ، زکوۃ، خمس جہاد اور دیگر واجبات و محرمات کے موضوع پر متعدد مقامات پر تاکید کی ہے۔ مثلاً مالک اشتر کو جو خط تحریر فرمایا تھا اس میں لکھا کہ "امرہ بتقوی اللہ وایثار طاعتہ واتباع ما امربہ فی کتابہ من فرائضہ وسننہ" اس کو خدا کے خوف کا نیز دوسرے کاموں پر اطاعت خدا کو مقدم رکھنے کا حکم دیتا ہے اور خدا کی کتاب میں جن واجبات اور سنتوں کا تذکرہ آیا ہے ان کی پیروی کرتا ہے (نہج البلاغہ، خط ۵۳)

دوسرے مقام پر اسی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں" الفرائض ادوھا الی اللہ" واجبات ! کو خدا کیلئے بجالاؤ۔ اوامر ونواہی کی پابندی کو آپ نے امانت کی ادائیگی سمجھا ہے۔ اپنی حکومت کے ایک کارندے کو تحریر فرماتے ہیں۔" امرہ بتقوی اللہ فی سرائر امرہ وخفیات عملہ حیث لا شہید غیرہ ولا وکیل دونہ وامرہ الایعمل بشئی من طاعۃ اللہ فیماظہر فیخالف الی غیرہ فیما اسرّ، ومن لم یختلف سرہ وعلانیتہ وفعلہ ومقالتہ فقد ادیٰ الامانۃ واخلص العبادۃ" یہاں اسرار اور پوشیدہ اعمال میں اسے خوف خدا کا حکم دیتا ہوں جہاں خدا کے سوا کوئی گواہ اور کوئی نمائندہ نہیں ہے اور اسے یہ حکم دیتا ہوں کہ وہ

ظاہر میں خدا کی اطاعت اور خلوت میں حکم خدا کی نافرمان نہ کرے اور اس کے گفتار و کردار میں ظاہری اور باطنی طور پر تضاد نہ پایا جائے، وہ امانت الٰہی کو ادا کرے اور عمل کو خلوص سے انجام دے (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۶) البتہ دین کے قوانین پر سختی سے وہی عمل پیرا ہوگا جسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہو یہ ایسی شناخت ہے جس کا نتیجہ انقیاد، تسلیم اور حقیقی تقویٰ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پوشیدہ اور باطنی کاموں میں حکم خدا کی نافرمانی سے پرہیز حقیقی تقویٰ ہے کیونکہ خدا، انسان کے پوشیدہ اعمال اور رازہائے پنہاں سے واقف ہے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اپنے پوشیدہ کاموں سے صرف وہ آگاہ ہے۔ دوسری طرف انسان کا خدا کی فرمانبرداری میں ظاہر و باطن ایک ہونا ضروری ہے جن عبادتوں کو وہ ظاہری طور پر انجام دیتا ہے ان میں خود نمائی اور ریاکاری سے اپنے آپ کو پاک رکھے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۴، ص ۴۱۶)

خدا کے نزدیک سب سے اچھے اور محبوب بندہ کے بارے میں مولائے کائنات فرماتے ہیں: "قد اخلص لله فاستخلصه" اپنے اعمال کو خالص خدا کے لئے انجام دے جیسا کہ اس نے قبول کیا ہے (نہج البلاغہ، خطبہ ۸۷)

لہٰذا عبادت میں اخلاص عدم نفاق خدا کی صحیح معرفت کا نتیجہ اور دینداری کی خصوصیتیں ہیں لیکن ایمانی، عبادی وار علمی اعمال کا اپنے باطن کو جانتے ہوئے منفعت طلبی کے ساتھ انجام دینا حقیقت تقویٰ سے دور ہے اور ایسا انسان دیندار نہیں ہے۔

## ۳۔ دینی بصیرت

دینداری کی تیسری خصوصیت "دینی بصیرت" ہے جو تعبداد اور انسانی زندگی میں علم و عمل کے درمیان التزام کا حاصل اور نتیجہ ہے۔ امور میں بصیرت اور آگاہی کا ہونا بہت اہم ہے۔ خدا نے پیغمبر کی دعوت کو جہاں مکمل بصیرت والی دعوت قرار دیا ہے وہاں فرماتا ہے" قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى " کہدو کہ یہ میرا راستہ ہے ہم اور ہمارے پیروکار بصیرت کے ساتھ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں (یوسف، آیت ۱۰۸) باطل سے جن کی شناخت" دینی فرائض کا ادراک، دوست ودشمن کی پہچان، دشمن کی فتنہ پردازیوں اور سازشوں کے سلسلہ میں مکمل بیداری اور ہوشیاری، حالات کا صحیح تجزیہ، فتنوں اور ہنگاموں میں صحیح موقف اختیار کرنا دینی بصیرت ہے (ابراہیم زادہ، ۱۳۹۹، ص ۴۰)

حضرت امیر المومنینؑ کا یہ فرمان کہ " فقد البصرا هون من فقدان البصيرة" (تمیمی آمدی، ۱۳۶۶، ص ۴۱) آنکھوں کی بینائی کا نہ ہونا دل کی بینائی کے نہ ہونے سے آسان ہے۔ بصیرت کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: " العامل على غير بصيرة

کالسائر علی غیر الطریق ولا یزیدہ" بصیرت کے بغیر عمل کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو غلط راستہ پر چل پڑا ہو وہ جتنا تیز چلے گا منزل سے اتنی دور ہوتا جائے گا (صدوق، ۱۴۰، ص ۴۲۱)

دینداری کی اہم خصوصیت کے اعتبار سے دینی بصیرت چند اصولوں پر مبنی ہے:

## الف: تقویٰ اور پرہیزگاری

"یَا ایّھا الّذین امنوا ان تتّقو اللہ یَجعل لّکم فرقاناً" اے ایمان والو اگر تم خدا سے ڈروگے تو تمہیں حق وباطل میں فرق کرنے کی صلاحیت عطا کرے گا (الانفال، آیت ۲۹) اس آیت کے مطابق دینی بصیرت کے اکتساب کا ذریعہ تقویٰ ہے کیونکہ فرقان وہ ہدایت ہے جسے خدا پرہیزگاروں کو عطا کرتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ حق کو باطل سے جدا کر لیتے ہیں (مغنیہ، ۱۳۷۶، جلد ۳، ص ۴۷۷) لہٰذا صاحبان تقویٰ الٰہی تقویٰ کی مدد سے حق کو باطل سے جدا کر لیا کرتے ہیں۔

امیر المومنین نے نہج البلاغہ میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے "یوخذ من ھذا ضغث ومن ھذا ضغث فیمز جان فھنا لک یستولی الشیطان علی اولیائہ وینجو الذین سبقت لھم من اللہ الحسنیٰ" (اہل باطل) کچھ حصہ حق سے اور کچھ باطل سے لے لیتے ہیں اور دونوں کو ملا دیتے ہیں یہیں شیطان ایسے دوستوں پر غالب آ جاتا ہے اور حق کے ساتھ لطف ورحمت الٰہی شامل ہوتی ہے نجات صرف وہی پاتے ہیں (نہج البلاغہ، خطبہ ۵۰) اس بنیاد پر حق وباطل کی آمیزش کے موقع پر امیر المومنینؑ صرف صاحبان تقویٰ کو صاحب بصیرت مانتے ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ طالبان حق وہ واقف کار اور مخلص بندے ہیں جو پروردگار کے لطف کی بناپر حق وباطل کو ملا دینے والے فتنہ گروں کی سازش سے محفوظ ہیں (مکارم شیرازی، ۱۳۷۵، ج ۲، ص ۵۶۵)

مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ تقویٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:" فان تقوی اللہ دواء داء قلوبکم، وبصر عمی افئد تکم ---وجلاءغشا ابصارکم---وضیاء سواد ظلمتکم " تمہارے اندر (دل) کے اندھے پن کا علاج تقویٰ ہے--- یہی تمہاری آنکھوں کو نور بخشتا ہے--- تمہاری تاریکی (نادانی) کے اندھیرے کو دور کرتا ہے (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۸)

بنابریں، کمال کے درجات تک نفس کو پہونچانے میں تقویٰ مددگار ہے۔ حقائق کے ادراک سے روکنے والے میرے صفات کو وہ ختم کرتا ہے غفلت کو نیست ونابود کرکے جہل کی تاریکی کو دور کرتا ہے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۳، ص ۴۴۸) یہی عطائے بصیرت ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:"أومن کان میتاً فأ حییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی النّاس کمن مّثلہ فی الظّلمات لیس

بخارج منها" جو مردہ دل تھا ہم نے اسے زندہ کیا اس کے لیے نور قرار دیا جس کی روشنی میں وہ لوگوں کے درمیان راستہ طے کرتا ہے کیا وہ شخص اس جیسا ہے جو تاریکی میں الجھا ہے اور باہر نکلنے کی امید نہیں ہے (الانعام، آیت ۱۲۲)

ہدایت الٰہی کی آمد اور توفیق سے پہلے انسان اس مردہ جیسا ہے جو نعمت حیات سے محروم ہے، ایمان کی توفیق جسے مل گئی اور جس کے ایمان سے اللہ راضی ہوگیا وہ اس جیسا ہوگیا جسے اللہ نے زندہ کیا ہے اور اسے ایسا نور عطا کیا ہے جس کی روشنی میں وہ ہر جگہ جاسکتا ہے اس بنیاد پر جن مومنین نے تقوائے الٰہی اختیار کرلیا ہے وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ارادہ اور شعور کے مالک ہیں یہی وہ بصیرت دینی ہے جو لطف پروردگار عالم کی بناپر صاحبان تقویٰ کو حاصل ہوتی ہے جہاں دوسروں کے عقل وارادہ کی پہونچ نہیں ہے اس بصیرت کی بدولت وہاں ان کی عقل اور ان کا ارادہ پہونچ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ نور، بصیرت اور اس علم کے معنی میں ہے جو ایمان کی دین ہے (طباطبائی، ۱۴۱۷، جلد ۷، ص ۳۳۹)

رسول خداؐ سے منقول روایت اس بات کا ثبوت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا "من عمل بما یعلم ورثه الله علم مالم یعلم" جو اپنے علم پر عمل پیرا ہوتا ہے خدا اسے وہ علم بھی عطا کرتا جو اس کے پاس نہیں ہے (شیخ مفید، ۱۴۱۳، ص ۱۰۷) اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ باطنی چشم و گوش کی مدد سے تقویٰ کے ذریعہ کسب بصیرت ممکن ہے دوسری آیتوں میں بھی اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے (ر۔ک الحدید ۵۷ / ۲۸۔ الشوریٰ، آیت ۵۲)

## ب: ولایت

ولایت کو ماننا بصیرت دینی کا دوسرا استون ہے ولایت عربی لفظ ہے جو لفظ "ولی" سے ماخوذ ہے عربی زبان میں "وَلِیَ" کسی چیز کا کسی چیز کے پیچھے بغیر فاصلہ کے آنے کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح پیچھے پیچھے یا ترتیب وار آنے کا لازمہ ان دونوں میں قرب اور نزدیکی ہے اس وجہ سے "حب و دوستی"، "نصرت و یاری"، "متابعت اور پیروی" اور سرپرستی کے معنی میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (رک: راغب اصفہانی ۱۴۱۲، ج ۱، ص ۸۸۵؛ ابن منظور، ۱۴۱۴، ج ۱۵، ص ۴۰۷)

عربی کے اصل متون کی چھان بین کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مذکورہ معانی میں سے عرفی طور پر جو سب سے مشہور معنی شمار کیا جاتا ہے وہ "امارت اور فرماں روائی" ہے اور وہ اس طرح کہ لفظ ولایت طبیعی طور پر "امامت اور نام داری" کے معنی کی طرف منصرف ہوتا ہے مگر یہ کہ قرینہ آجائے مثلاً ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الامامة والسياسة" میں لفظ ولایت کا استعمال حکام اور منتخب

زمانہ داروں کے تعارف کے لیے کیا ہے۔ اپنی تاریخ کی کتابوں میں طبری اور ابن اثیر نے جب سیاسی حکام کے دور حکومت کے واقعات کو پیش کرنا چاہاتو انہوں نے وہاں ان واقعات کے بیان کے لئے لفظ ولایت کا انتخاب کیا ہے۔ غزالی نے بھی اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں ولایت کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ (رک: ابن قتیبہ دینوری، ۱۳۷۱، ج ۱، ص ۳۸، ج ۲، ص ۷) ۱۴۱، ۱۴۲، ۳۹، طبری، ۱۳۸۷، جلد ۴ ص ۱۰۳، ۱۶۴، ابن اثیر، ۱۴۱۴، ج ۶، ص ۳۵۵ وج ۳ ص ۸۹، ۱۸۴، ۲۴۲، ۲۴۰، ۳۴۵؛ غزالی، ۱۴۰۹، ج ۱، ص ۲۹)

قرآن کی اہم محوری بحثوں میں ولایت کی آیتیں شامل ہیں جو زیاتر سرپرستی اور امور کے قیام کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں۔ البتہ یہ سرپرستی کبھی محدود دائرہ میں ہے مثلاً " ولاتقتلوا النّفس الّتی حرم اللہ الّا بالحق ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً فلا یُسرف فی القتل انّہ کان منصوراً" اور جس نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے حق کے سوا قتل نہ کرنا اور جو شخص مظلوم قتل کیا گیا اس کے سرپرست کو ہم نے قدرت دی ہے پس اسے قتل میں زیادہ روی کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ (شرع کی طرف سے) اس کی نصرت ہوئی ہے۔ (الاسراء، آیت ۳۳) کبھی اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے مثلاً خدا کی ولایت تکوینی "ام اتخذوا من دونہ اولیاء فاللّٰہ ھو الولیّ وھو یُحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیءٍ قدیرٌ" کیا وہ لوگ خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی بناتے ہیں؟ حالانکہ ولی تو صرف خدا ہے۔ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے وہی ہر چیز پر قادر ہے (شوریٰ، آیت ۹) مثلاً "انّما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والّذین اٰمنوا الّذین یقیمُون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" تمہارا ولی صرف خدا اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے وہی جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں (المائدہ، آیت ۵۵) ولایت سے ہمارا مقصود سرپرستی، رہبری اور ولایت الٰہی کا قبول کرنا ہے جسے پیغمبرؐ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے بتایا ہے۔

بصیرت دینی کا دوسرا ستون ولایت ہے اس کے دو اہم امتیازات ہیں: دیندار، جنہیں کو ماننا اور اپنے اعمال ورفتار میں برتنا چاہئے۔ ایک تو مومنین کی عمومی محبت کے ساتھ خدا اور اس کے خاص اولیاء سے خالص اور سچی محبت ہے۔ اور دوسری چیز ان کی سرپرستی قبول کرنا اور ولایت کی اطاعت ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے نماز، روزہ حج اور جہاد۔۔۔ کے ساتھ امام کی فرمانبرداری کو واجبات الٰہی کا جزء قرار دیا ہے اس کا فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح امت کے امور درست ہوتے ہیں۔" والامامۃ نظاماًللأمۃ والطاعۃ تعظیماًلإ مامۃ "خداوند عالم نے نظام امت کو درست کو نے کے لیے امامت قرار دیا ہے اور امام کی فرمانبرداری کو امام کی تعظیم کے لیے واجب قرار دیا ہے (نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲)

ہادی اور امام کے عنوان سے اہلبیت پیغمبر کی پیروی کی ضرورت کو حضرت علیؑ نے بیان فرمایا:
" انظروا اھل بیت نبیکم فالزموا سمتھم واتبعوا اثرھم فلن یُخرجوکم من ھدیً ولن یعید وکم فی ردی، فان لبدوا فالبدوا وان نھضوا فانھضوا ولا تسبقوھم فتضلوا ولاتتاخروا عنھم فتھلکوا"
اے لوگو! اپنے پیغمبرؐ کے اہلبیت کی طرف دیکھو، وہ جدھر جائیں ادھر تم بھی جاؤ ان کے نقش قدم پر چلو وہ تمہیں راہ ہدایت سے باہر نہیں لے جائیں گے تمہیں پیشی اور ہلاکت میں نہیں ڈالیں گے اگر انہوں نے سکوت اختیار کیا تو تم بھی خاموش رہ جانا اور گروہ قیام کریں تو تم بھی قیام کرنا ان سے آگے نہ بڑھو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ ان سے پیچھے نہ رہ جاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے (نہج البلاغہ، خطبہ ۹۷)

سورۂ انفال کی بیسویں آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ با تقویٰ افراد تقوائے الٰہی کے ذریعہ ہدایت پاتے ہیں ان کی ہدایت کا ذریعہ ہادی اور رہبر ہیں (گنا بادی، ۱۴۰۸، ج ۲، ص ۲۳۵) ان کا علم قرآن وسنت کی دین ہے (مکارم شیرازی، ۱۳۷۵، ج ۴، ص ۳۱۶) دینی فرائض کی تفہیم، دوست دشمن کی تشخیص، دشمن کے فتنوں اور سازشوں سے بچے رہنا، حالات کا صحیح تجزیہ، حادثات اور فتنوں میں صحیح موقف کا انتخاب ایسے افراد ان مافوق بشر علوم کی مدد سے کرتے ہیں جو حق باطل کی پہچان کے بہترین وسائل ہیں۔ ولایت پر اعتقاد رکھنے والا ایسے کامل نمونوں سے معیار اور امتیازات کا انتخاب کرتا ہے جس کے تمام افکار واعمال الٰہی ہوتے ہیں ایسے نمونوں کا انتخاب ہی کسب بصیرت کا سبب اور حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کا وسیلہ ہے۔

اس حصہ کے آخر میں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ولایت فقیہ چونکہ ولایت ائمہ اطہار کی شاخ ہے اور ائمہؑ کی ولایت پیغمبرؐ کی ولایت کا تسلسل ہے اور آنحضرتؐ کی ولایت کا سرچشمہ پروردگار عالم ہے لہٰذا ولی فقیہ کی سرپرستی اور قیادت الٰہی حکم کی فرمانبرداری ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ حکم خدا کی اطاعت بغیر کسی عذر کے ہر مسلمان پر واجب ہے دوسری طرف یہ بھی نظر میں رہے کہ ولایت فقیہ کا قبول کرنا اور فقیہ کے فرمان کی پیروی دینی بصیرت کا اکتساب بھی ہے اس بناپر ولایت فقیہ کی طرف بازگشت فقہ کی ولایت کی طرف بازگشت ہے یعنی فقیہ کی شخصیت ایک قانونی شخصیت ہے تاکہ وہ لوگوں پر حکومت کرے یہ اس کی حقیقی شخصیت اور حیثیت نہیں ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ لوگوں پر حکومت کرنے والا حکم خدا ہے خود فقیہ نہیں ہے (طاہری، ۱۳۸۱، ص ۱۴) لہٰذا معلوم ہوا کہ احکام کا ان پر عمل، تقویٰ اور آسمانی ہادیوں کی فرمانبرداری انسان کو صاحب بصیرت بنا دیتی ہے۔

## ۶۔ دینی غیرت وحمیت

لغت میں حمیت "حمی" سے ہے جس کے معنی ایسی حمایت کے ہیں جس میں شدت اور منع کا اطلاق ہوتا ہو، یہ غیرت کے ہم معنی ہے (ابن منظور، ۱۴۱۴، ج ۲، ص ۱۶۷) جس چیز کی نگہبانی اور تحفظ ضروری ہو اس کی نگرانی میں کوشش کرنا علمائے اخلاق کی نظر میں غیرت وحمیت کہلاتا ہے۔ شجاعت، بزرگی قوت وسلامت نفس اس صفت کا سرچشمہ ہیں یہ نفس کا ملکہ اور کمال انسانی ہے (نراقی، ۱۳۹۸، ص ۲۱۸)

غیرت دینی کا مطلب یہ ہے کہ دیندار انسان کو دینی فکر لاحق ہو اور وہ قرآنی حکم کے مطابق دین کا دفاع کرے "یاایھاالّذین اٰمنوا ان تنصر وا اللہ ینصر کم ویثبّت اقدامکم" اے ایمان والو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا (محمد، آیت ۷) یہاں خدا کی مدد سے مراد دین خدا کی نصرت ہے خدا کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے (قرشی، ۱۳۷۷، ج ۱۰، ص ۱۸۴)

خدا کی مدد کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دینی فریضہ کے حقیقی قیام، مکمل ایمان، زندگی کے ناخوشگوار حالات میں دین پر ثابت قدم رہنے جیسی چیزوں سے لیکر ارتقاء کی زمین میں خدا کے کلام کو بلندی تک لے جانے کی ذمہ داری اور جہاد کے تحمل تک یہ معنی عام ہے لہٰذا دینی غیرت کے معنی دفاع اور نصرت کے ہیں۔ ہر اس دفاع کو دینی غیرت کا نام دیا جائے گا جو خدا پر ایمان سے متعلق ہو لہٰذا ہر میدان اور ہر سرزمین پر ہر زمانہ میں خدا کی خاطر قیام کرنے کے لئے مومن کو ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔ (مدرسی، ۱۱۷۷، ج ۱۳، ص ۱۲)

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ہر حالت میں ہمیشہ اس کی پابندی کا حکم دیا ہے آخر عمر تک جہاں دین کی حمایت کا تذکرہ کیا ہے وہاں فرماتے ہیں" وأن تنافح عن دینک ولولم یکن لک الاساعۃ من الدھر" تمہاری عمر کا اگر ایک لمحہ بھی باقی رہ گیا ہو تو اس میں بھی تمہیں دین کا دفاع کرنا چاہیے (نہج البلاغہ، خط ۲۷) مکمل بصیرت کے ساتھ دین خدا کی نصرت میں اپنے تمام امکانات کو لگا دینا دینی غیرت کا لازمہ ہے جس طرح مصر کی گورنری کا عہدہ سپرد کرتے وقت حضرت علیؑ نے دل ہاتھ، زبان غرض کہ ہر وسیلہ سے دین خدا کی مدد کے لئے مالک اشتر کو حکم دیا تھا۔" وان ینصر اللہ سبحانہ بقلبہ ویدہ ولسانہ" دل، ہاتھ اور زبان سے انہیں دین خدا کی نصرت کرنی چاہی (نہج البلاغہ، خط ۵۳)

غیرت دار دیندار وہی ہے جو خدا کی رضامندی کا طلبگار ہو اور دین کا دفاع کرتا رہے چاہے وہ دفاع خود اس کے اپنے نقصان پر تمام ہو۔ غیرت دینی کے معنی میں غور وخوض کے بعد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اسلامی احکام و تعلیمات مثلاً جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تولا، تبرا دینی تعلیم وتربیت، دینی غیرت کے مصداق ہیں جو دینی بصیرت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔ ایسی تعلیمات اور احکام کا سراغ نہج البلاغہ میں بہت ملتا ہے ان میں سے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں:

بصرہ کے اہل شورش سے کوفہ والوں کو جہاد کی رغبت دلاتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا:

" وجاشت جیش المرجل وقامت الفتنہ علی القطب فاسرعوا الی امیرکم وبادروا جہاد عدوکم"

حادثات کا دیگ ابل پڑا ہے فتنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے ہیں لہٰذا تم اپنے امیر کی جانب دوڑ پڑو اور دشمن سے جہاد کے لیے آگے بڑھو (نہج البلاغہ، خطبہ ۲۴۰)

امر بالعروف اور نہی عن المنکر کرنے کیلئے آپ نے اس طرح رغبت دلائی کہ "ایھا المؤمنون انہ من رای عدوانا یعمل بہ ومنکرا یدعی الیہ فانکرہ بقلبہ فقد سلم وبریٔ ومن انکرہ بلسانہ فقد اجر وھو افضل من صاحبہ ومن انکرہ بالسیف لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا وکلمۃ الظالمین ھی السفلیٰ فذالک الذی اصاب سبیل الھدیٰ وقام علی الطریق ونور فی قلبہ الیقین" جو ظلم وعدوان کو دیکھے، منکر کا مشاہدہ کرے اور دل سے انکار کرے تو وہ آلودگی سے بچ جائے گا اور جو زبان سے اس کا انکار کرے تو اسے اجر ملے گا اور وہ پہلے والے سے بہتر ہے۔ اور جو شمشیر لیکر انکار کرے تاکہ کلام خدا بلند اور ستمگروں کی باتیں پست ہوجائیں وہ ہدایت کا راستہ پانے والا ہے اس دل میں نور یقین تابندہ ہے۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۷۳)

مکلّف پر اس کی طاقت کے بقدر انکار اور ردعمل واجب ہے سب سے کم درجہ کا انکار دل سے انکار ہے، زبان سے انکار کا درجہ درمیانی ہے سب سے بلند درجہ وہ ہے جہاں دست وبازو کے ذریعہ برائی کی مخالفت کی جائے (بحرانی، ۱۳۷۷، جلد ۵، ص ۴۲۸) لیکن اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ ہر زمانہ اور ہر جگہ دفاع حضرت کے فرمان میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

## نتیجہ

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں ایک جامع دین کی حیثیت سے اسلام کا تعارف کرایا ہے آپ نے مختلف تمثیلات اور بیانات کے ذریعہ دین کی اہمیت کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ انسانی زندگی میں اس کی حیثیت مرکزی اور بنیادی قرار پاتی ہے۔

مولا علیؑ کے کلام کی رو سے اعمال وکردار کے تمام پہلوؤں کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں دستور اسلام کی پابندی کا نام دینداری ہے آپ کے کلام میں دینداری کا ایک اہم رخ، روح تعبد اور خالص بندگی سے استفادہ ہے جو فقر اور ذاتی وفاداری، جہاد بالنفس اور تعلیمات اسلامی کے سایہ میں خودسازی کے ذریعہ انسان کی عمیق معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔

معرفت خدا کی بنیاد پر علم وعمل کا ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہونا دینداری کا ایک دوسرا

امتیازی پہلو ہے، حضرت کی نظر میں دینداری وہی ہے جو پروردگار عالم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے یہ علم و عمل کے لازم وملزوم ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ دینداری کا اصل مقصد کمال اور بندگی کے مقام بلند تک رسائی ہے۔ حضرت علیؑ کے قول کے مطابق علم و عمل کی ہم آہنگی کے سایہ میں ہی یہ باتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

حق و باطل کی معرفت نہج البلاغہ کے آئینہ میں دینداری کا ایک اہم امتیاز ہے جو تعبد اور علم و عمل کے تلازم کا نتیجہ ہے تقویٰ اور ولایت کی بنیاد ہے کیونکہ خداوند عالم صاحبان تقویٰ کی نصرت کرتا ہے اور وہ اس امداد کے سہارے دینی بصیرت حاصل کرتے ہیں یہ نصرت ارادہ، شعور مافوق ارادہ اور دوسروں کے شعور کی دین ہے۔

ولایت کی بھی دو اہم شاخیں ہیں ایک خدا اور اس کے اولیاء کی خالص محبت اور دوسرے ان کی سرپرستی اور ولایت کو تسلیم کرلینا جو درحقیقت ولایت الٰہی کو قبول کرنا ہے اور غیبت کے زمانہ میں تسلیم ولایت فقیہ، خدائی حاکمیت اور ولایت کو تسلیم کرنا ہے۔ یہ اس فقیہ کی قانونی حیثیت کا تسلیم کرنا ہے جو احکام کے استنباط اور اجراء کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھاتا ہے۔

امیر المؤمنینؑ کی نظر میں دینی غیرت (یعنی ہر طرح سے ہر چیز کے لئے دفاع) کے ذریعہ دینی بصیرت حاصل ہو سکتی ہے البتہ خدا پر ایمان کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

## منابع وماخذ


۱۔ قرآن کریم؛ ترجمہ: محمد مہدی فولادوند، تہران، دار القرآن الکریم۔

۲۔ نہج البلاغہ ؛ترجمہ: محمد دشتی، تہران" زہد۔

۳۔ ابراہیم زادہ، عبد اللہ۔

۴۔ ابن ابی الحدید (دین باوری ودین داری)، زمزم بدست ابو حامد، شرح نہج البلاغہ، کتابخانہ عمومی آیت اللہ مرعشی۔

۵۔ ابن اثیر، الکامل فی تاریخ بیروت، التاریخ العربی۔

۶۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب بیروت، دار صادر۔

۷۔ بحرانی، میثم بن علی بن میثم، اختیار مصباح السالکین، بنیاد پژوھشی اسلامی آستان قدس رضوی۔

۸۔ تیمی آمدی، عبد الواحد، تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، دفتر تبلیغات۔

۹۔ جوادی آملی، عبد اللہ، دین شناسی، اسراء۔

۱۰۔ بنوری، عبداللہ، الامامۃ والسیاسۃ۔

۱۱۔ راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بیروت، دار العلم، الدار الشامیہ۔

۱۲۔ سبحانی نیا، محمد، کارکرد دین در زندگی بشر، بوستان کتاب۔

۱۳۔ صدوق، محمد امالی الصدوق، بیروت۔

۱۴۔ طاہری، حبیب اللہ، تحقیقی پیرامون ولایت فقیہ، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین۔

۱۵۔ طباطبائی، سید محمد، حسین المیزان فی تفسیر القرآن، دفتر انتشارات اسلامی، جامعہ مدرسین۔

۱۶۔ قرآن در اسلام، تہران، دار الکتب الاسلامیہ۔

۱۷۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران، انتشارات ناصر خسرو۔

۱۸۔ طبری، محمد، تاریخ الطبری، بیروت: دار التراث۔

۱۹۔ غزالی، محمد، احیاء علوم الدین، بیروت، دار الفکر۔

۲۰۔ براہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، باقری۔

۲۱۔ قرشی، سید اکبر، تفسیر احسن الحدیث، تہران، بنیاد بعثت۔

۲۲۔ کلینی، محمد، بن یعقوب، الکافی، تہران، اسلامیہ۔

۲۳۔ گنابادی، سلطان محمد، بیان السعادہ فی مقامات العبادہ، بیروت، الاعلمی للمطبوعات۔

۲۴۔ مجلسی، محمد، بحار الانوار، تہران، اسلامیہ، بی تا۔

۲۵۔ محمدی، ری شہری، محمد، میزان الحکمہ، ترجمہ: حمید رضا شفیعی، قم، دار الحدیث۔

۲۶۔ مدرسی، سید محمد تقی، تفسیر ہدایت، ترجمہ احمد آرام، مشہد، بنیاد پژوہشی اسلامی، آستان قدس رضوی۔

۲۷۔ مغنیہ، محمد جواد، تفسیر الکاشف، ترجمہ، موسی، دانش، قم، بوستان کتاب۔

۲۸۔ محمد بن محمد بن نعمان عکبری، الفصول المختارہ، کنگرہ شیخ مفید۔

۲۹۔ مکارم شیرازی، ناصر، پیام امام، شرح تازہ وجامعی بر نہج البلاغہ، تہران، دار الکتب الاسلامیۃ۔

۳۰۔ نراقی، ملا احمد، معراج السعادہ، تہران، پیام آزادی۔